شاھد حسین رزاقی

سیاسی نظریہ سازی پر تحریکِ اصلاح کا اثر

از منۂ وسطیٰ یورپ کے زوال و انحطاط کا دَور تھا۔ اس زمانہ میں دو بڑی طاقتیں تھیں۔ ایک تو شہنشاہ اور دوسرا پوپ شہنشاہ مقتدر ترین حکمران تھا۔ اس کی شہنشاہی کو روئے زمین پر خدا کی سلطنت اور خود اس کو اس خدائی سلطنت کا حاکمِ اعلیٰ تسلیم کیا جاتا تھا۔ پوپ عیسائی دنیا کے کلیسائی نظام کا سردار تھا جس کا یہ دعویٰ تھا کہ رومن کلیسا خدا کا قائم کردہ ہے۔ اس لئے اس کے سردار کا اقتدار ہمہ گیر ہے۔ چنانچہ نہ صرف اہلِ کلیسا بلکہ شہنشاہ کی رعایا اور خود شہنشاہ پر بھی اس کو کامل اختیار حاصل ہے۔ ان متضاد دعووں کا نتیجہ یہ نکلا کہ آخر کار شہنشاہ اور پوپ کے حامی حکمرانوں کے درمیان جنگ شروع ہوگئی۔ اور پوپ و شہنشاہ کی کش مکش کا یورپ کے تمام ممالک پر گہرا اثر پڑا۔ شہنشاہیت کے خلاف اہلِ کلیسہ کی جد وجہد کے علاوہ اس زمانہ کے معاشری اور سیاسی حالات نے بھی شہنشاہ کے اقتدار کو کمزور کر دیا اور مذہبی اصلاح کی تحریکوں نے پوپ کی خودسری کو ختم کر دیا۔ ان تحریکوں سے متاثر ہوکر اس دَور کے نظریہ سازوں نے مطلق انسانی کی مخالفت اور دستوری و نمائندہ حکومت کی حمایت میں جو نظریات پیش کئے ان سے بخوبی یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ یورپ کے دورِ ظلمت میں بھی جمہوری تفکر کی شمعیں کس طرح روشن رہیں۔ اور مطلق العنانی کی جڑوں پر خواہ وہ دنیاوی حکمرانوں کی ہو یا کلیسائی نظام کے سردارِ اعلیٰ کی جو شہنشاہ سے بھی زیادہ مطلق انسان اور خودسر ہو گیا تھا، ان تحریکوں نے کیسی کاری ضرب لگائی۔

شہنشاہ اور پوپ کی کش مکش میں پوپ کو جو کامیابیاں ہوئیں ان کی وجہ سے وہ ایک زبردست اور خودسر طاقت بن گیا تھا۔ اور دین و دنیا کے اقتدار کو اپنی ذات میں مرتکز کر لینے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ کلیسائی نظام تمام عیسائی دنیا میں پھیلا ہوا تھا اور اس کے عہدہ دار بہت طاقتور اور دولت مند تھے۔ کلیسا کے اختیارات اتنے وسیع تھے کہ ہر ملک میں اسکی حیثیت ایک متوازی حکومت جیسی ہوگئی تھی یہ سارا نظام روم کے پادری پوپ کے تحت تھا جس کو تمام رومن کیتھولک سینٹ پیٹر کا روحانی جانشین تصوّر کرتے تھے۔ نظامِ کلیسہ پر اس کو کامل اقتدار حاصل تھا۔ وہ قانون بناتا اور براہِ راست حکومت کرتا تھا۔ تمام اساقفہ اس کی اطاعت اور وفاداری کا حلف لیتے تھے۔ پوپ کے وکلا مختلف ممالک میں کلیسائی مجالس کی نگرانی کرتے تھے۔ جو شخص پوپ کے احکام کی تعمیل نہ کرتا اس کو وہ خارج از دین قرار دے دیتا تھا۔ اس کا یہ دعویٰ تھا کہ کلیسائی نظام خدائی نظام ہے۔ پوپ اس نظام کا سردارِ اعلیٰ ہے۔ اس لئے اس کا اقتدار عالمگیر ہے۔ عوام اور حکمران سب اس کے تابع ہیں۔ وہ شہنشاہ تک کو معزول کر سکتا ہے۔ لیکن دُنیا میں کوئی طاقت ایسی نہیں جو اس سے باز پرس کر سکے۔ پوپ جو کچھ کرتا ہے وہی حق ہوتا ہے۔ اور اس سے خطا سرزد نہیں ہو سکتی۔ پوپ کی اس خودسری

نے ایسے حالات پیدا کر دئے کہ نہ صرف حکمران بلکہ اہلِ کلیسہ بھی اس کی مطلق العنانی کی مقاومت کرنے لگے۔ اور مذہب و کلیسا کی اصلاح کے لئے جو تحریکیں نمودار ہوئیں۔ انھوں نے نہ صرف کلیسائی نظام کو متاثر کیا بلکہ اس دَور کی سیاست اور سیاسی نظریات پر بھی اثرانداز ہوئے۔ چنانچہ سیاسی تفکّر نے ایک ایسی نئی راہ اختیار کی کہ مذہبی آزادی کی جدوجہد سیاسی آزادی اور عوامی حقوق کی جدوجہد بنتی گئی۔

پوپ کی خود سری کے مخالفوں نے سب سے پہلے یہ استدلال پیش کیا کہ پوپ کا عہدہ انتخابی ہے۔ اور وہ خود اپنے فیصلوں کی تعمیل کے لئے اپنے حامی اُمراء اور کلیسہ کے مقتدر عہدہ داروں کا دستِ نگر ہے۔ ایسا شخص حکمرانوں کو اپنے تابعدار اُمراء کی حیثیت دے کر عالمگیر عیسائی شہنشاہیت کا فرماں روا ہونے کا دعویدار کس طرح ہوسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی پوپ کے اس دعوے کی تکذیب کی گئی، کہ اس سے کوئی خطا سرزد نہیں ہوسکتی۔ آخر کار یہ اُصول تسلیم کر لیا گیا، کہ پوپ بھی غلطی کر سکتا ہے، اور یہ خیال درست نہیں کہ پوپ سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوسکتی۔ اس کے علاوہ اگر پوپ سے بڑا جرم سرزد ہو اور اس پر الحاد کا الزام عائد ہو تو کلیسہ کی نمایندہ کونسل اس کو برطرف کر سکتی ہے۔ اس طرح پوپ کی مطلق العنانی پر بتدریج پابندیاں عائد ہونے لگیں۔ ۱۳۰۹ء سے ۱۴۱۷ء تک کے طویل زمانہ میں آوگنن میں پوپ کی جبری سکونت اور انتشارِ عظیم کی وجہ سے بھی پوپ کے اقتدار پر کاری ضرب لگی، اور یہ نظریہ پیش کیا جانے لگا کہ سیاسی نظام میں عوام کے اقتدارِ اعلیٰ کا اصول کلیسائی نظام میں بھی اختیار کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا پوپ کی مطلق العنانی کی روک تھام کرنے کے لئے اس کو کلیسائی تنظیم کے سامنے ذمہ دار اور جوابدہ بنایا جائے۔ ۱۴۱۵ء میں مجلس کانسٹنس میں تو اس مفہوم کی قرارداد بھی لائی گئی تھی کہ کلیسائی نظام کا اقتدارِ اعلیٰ پوپ کو نہیں بلکہ عیسائی دنیا کی جنرل کونسل کو حاصل ہے۔ اس نظریہ کے حامیوں کا یہ خیال تھا کہ دنیاوی اقتدار کی طرح پوپ کا اقتدار بھی عوام کے حقوق و اختیارات کا پابند ہے۔ اس لئے پوپ پر ان کی نمایندہ مجلس کے اقتدار کو تسلیم کرنا لازمی ہے۔ اس قسم کے خیالات کا اثر یہ ہوا کہ پوپ کی مطلق العنانی کمزور پڑنے لگی۔ اور کلیسائی نظام میں بھی جو عیسائی دنیا میں پھیلا ہوا تھا جمہوری عناصر بڑھنے لگے۔ کلیسائی نظام کو جمہوری بنانے کا تصور اس عہد کے ممتاز مفکروں کے نظریات میں بہت نمایاں ہے۔ مارسیلو نے اپنی کتاب "محافظِ امن" میں پوپ کے دعووں پر بڑی سخت تنقید کی ہے۔ اس کے نزدیک تمام اقتدار کا منبع عوام ہیں، اور وہی قانون سازی کا اعلیٰ اقتدار رکھتے ہیں۔ حکمران خواہ وہ دنیاوی ہوں یا مذہبی عوام کے اس اقتدار کو روبہ عمل لانے والے نمایندے ہوتے ہیں۔

چنانچہ کلیسائی نظام کے بارے میں مارسیلو کا یہ نظریہ تھا کہ تمام عیسائیوں کا اقتدار ناقابلِ انکار حقیقت ہے اور اس اقتدار کا اظہار ایک ایسی نمایندہ کونسل کی شکل میں ہونا چاہئے جو لازمی طور پر عام انتخابی اصول پر قائم ہوئی ہو۔ پوپ کی حیثیت اس نظام کے صدر سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔ اور اس پر اقتدار پوپ کا نہیں بلکہ نمایندہ کونسل کا ہو۔ مارسیلو نے کلیسہ پر نمایندہ کونسل کا اقتدار قائم کرنے سے بھی زیادہ اہمیت اس چیز کو دی ہے کہ کلیسائی نظام ملک کی حکومت کا تابع ہو تاکہ تفریق وانتشار ختم ہو جائے، اور ایک نمایندہ حکومت ملک کے تمام طبقوں پر حکمراں ہو۔ ملک کی حکومت کو قوی بنانے کی ضرورت کو

دوسرے مفکروں نے بھی محسوس کیا اور اس بارے میں دانتے مارسیلو کا ہم خیال ہے لیکن اس کا طرزِ فکر مختلف ہے۔ دانتے نے اپنی کتاب ملوکیت میں دنیاوی اقتدار کو بھی الوہی مرتبہ اور الوہی آغاز کا حامل قرار دیا۔ کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ مقدس سلطنتِ روما قومی اور کلیسائی دونوں عناصر کو قابو میں رکھ کر اتحاد و استحکام پیدا کرے۔

دانتے کے نزدیک دینی اقتدار پوپ کو اور دنیاوی حکمراں کو حاصل ہے، اور یہ خیال بالکل مہمل ہے کہ پوپ اختیارِ حکمرانی عطا کرتا ہے۔ کیونکہ خود پوپ کو ہی خدا، شہنشاہ، یا نوعِ انسانی کی اکثریت کی جانب سے نہ تو اختیارِ حکمرانی حاصل ہے اور نہ وہ یہ اختیار عطا کرسکتا ہے۔ ہس کا یہ خیال تھا کہ حقیقی کلیسہ پوپ یا چند افراد پر نہیں، بلکہ تمام عیسائیوں پر مشتمل ہے۔ پاپائی ملوکیت نہ تو الوہی نظام ہے اور نہ پوپ کو دنیاوی اقتدار حاصل ہونا چاہئے۔ گارسن اور نکولس دونوں کا یہ نظریہ تھا کہ پوپ کی حیثیت عوام کے ایک انتظامی عہدہ دار سے زیادہ نہیں، اور بالآخر اقتدار عوام کو حاصل ہے۔ گارسن نے کونسل کو مقتدر ادارہ اور پوپ کو صرف وقتی طور پر اختیارِ تمیزی سے کام لینے کا مجاز قرار دیا۔ اور نکولس کی یہ رائے ہے کہ سیاسی تنظیم کی طرح کلیسائی نظام میں بھی کونسل ہی مقتدر جماعت ہے، اور پوپ اس کے سامنے جوابدہ ہے۔

پوپ کی مطلق العنانی اور اقتدار پر سب سے زیادہ کاری ضرب تحریکِ اصلاح سے لگی، جو سولہویں صدی کے آغاز میں مارٹن لوتھر نے شروع کی تھی۔ چودھویں صدی میں جان وکلف اور جان ہس نے پوپ کے نظریات کی مخالفت اور کلیسہ کی اصلاح کی تحریکیں شروع کی تھیں۔ جو پاپائیت سے بغاوت کی تحریکِ عظیم کا آغاز تھیں۔ لوتھر بہت ذہین اور حساس انسان تھا۔ اور دلی خلوص کے ساتھ کلیسائی نظام کی خرابیاں دور کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے مذہبی اصلاح کے لئے پوپ اور رومن کیتھولک کلیسا کے خلاف جو تحریک شروع کی، اس سے کلیسا میں ترقیات کی راہ ہموار ہوگئی۔ پروٹسٹنٹ تحریک نے ایمان کے ذریعہ خدا سے فرد کا تعلق قائم کیا۔ کلیسائی امور میں تحقیق و دریافت اور توضیح فیصلے سے کام لینے کا اصول بنایا۔ مذہبی معاملات میں خیال و عمل کی آزادی دی۔ اور پوپ اور اہلِ کلیسا کا اقتدار ختم کرکے مذہبی امور میں عوام کو مقتدر بنایا۔ ان مصلحین کی یہ خواہش تھی، کہ کلیسائی نظام ابتدائی نوعیت کا ہو، جو جمہوری تھا۔ ماضی کی طرف واپسی کے اس نظریہ نے جمہوریت کو ترقی دی اور مذہبی آزادی، سیاسی آزادی کی پیش رو ثابت ہوئی۔

لوتھر کو مذہب سے اس قدر لگاؤ تھا کہ وہ سیاست میں دلچسپی لینا نہ چاہتا تھا۔ لیکن اس کا مقصد پوپ کے بین الاقوامی اقتدار کو توڑنا تھا اس لئے وہ حکمرانوں کی حمایت پر مجبور ہوگیا۔ لوتھر سیاسی آزادی اور جمہوریت سے زیادہ امن و امان اور تحفظ کا خواہاں تھا اور امن و تحفظ اور اتحاد و استحکام اس زمانہ میں دنیاوی حکمرانوں کی طاقت ہی سے حاصل ہوسکتے تھے۔ اس کے علاوہ لوتھر کو حکمرانوں کا اس لئے بھی خیال تھا کہ وہ اپنی مذہبی اصلاحات کو ان کی مدد سے ہی کامیاب بنا سکتا تھا۔

ایک اور بڑا مذہبی مصلح جان کالون تھا، جو لوتھر کی طرح قدامت پسند نہ تھا، لیکن مذہبی اصلاحات کو کامیاب بنانے کے لئے وہ بھی حکمراں کی حمایت کرنے پر مجبور تھا۔ چنانچہ کئی سال تک اس نے پروٹسٹنٹ ملکوں میں حکمرانوں کی حمایت کی۔

اپنے اصلاح شدہ کلیسا میں کالون نے جمہوری عناصر کو محدود رکھا۔ کالونیت ولیوں کی حکومت کی خواہاں تھی، اور اس طرح جمہوریت کے لئے گنجائش نہ تھی۔ لیکن آگے چل کر اس سے عوامی حقوق کے تحفظ میں مدد ملی اور کالونیت حکومت اور کلیسہ دونوں میں مطلق العنانی کی شدید مخالف ہو گئی۔ سولہویں اور سترھویں صدی میں کالونیوں نے مذہبی آزادی کے لئے جدوجہد کی اس کا نتیجہ جمہوریت اور آزادی کی ترقی کی شکل میں نکلا۔ جینوا میں کالون کے قائم کردہ کلیسائی نظام میں احیائی عنصر نمایاں تھا لیکن دوسرے مقامات میں کالونی نظام جمہوری نظام پر قائم ہوا۔ کالونی یہ چاہتے تھے کہ حکومت عوام کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کرے۔ چنانچہ انہوں نے یہ نظریہ پیش کیا کہ مذہبی معاملات میں اقتدارِ اعلیٰ اس مذہب کے پیروؤں کو حاصل ہے۔

اسکاٹ لینڈ میں پرسبٹیرین کلیسا نے عوام کی مذہبی آزادی کے یہ نظریات زیادہ شدت سے پیش کئے۔ اور انگلستان و امریکہ کے کانگریگیشنل اور انڈی پینڈنٹ کلیساؤں نے مذہبی اقتدار اور مذہبی آزادی کے ان اصولوں کو کلیسا کے جمہوری نظام کی اساس بنا کر ترقی دی اور نظریۂ معاہدۂ معاشری کے اصول کو مذہبی نظام پر بھی منطبق کیا۔ پیوریٹن کلیسا نے شہری آزادی کے اصول کو بھی بڑی شدت سے اختیار کیا۔ پہلے تو انہوں نے انگلستان میں کلیسائی نظام میں جمہوریت نافذ کی، اور پھر جب پلگرم فادرس نے امریکہ میں قدم رکھا، تو نیو انگلینڈ میں اپنے جمہوری تصورات کے تحت ایک ایسے معاشرہ کا آغاز کیا جس میں مذہب اور حکومت سب کی بنیاد جمہوری رکھی گئی۔

تحریک اصلاح کی وجہ سے یورپی ممالک میں ایسے مذہبی فرقے پیدا ہو گئے، جن کے عقائد حکمراں کے عقائد سے مختلف تھے۔ اور ان فرقوں نے ایسے نظریات کی اشاعت شروع کی، جن کا سیاست پر اثر پڑا۔ چنانچہ حکمراں کے ہم فرقہ تو ایسے نظریات پیش کرتے تھے، جو حکومت کے اقتدار اور ملکی اتحاد و استحکام کی حمایت کرتے۔ اور مخالف فرقہ کے نظریات اس کے برعکس ہوتے تھے۔ میریانہ رومن کیتھولک تھا اور پروٹسٹنٹ حکمران کے اقتدار اور مرکزیت کو کمزور کرنے کے لئے اس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ عوام کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ طرزِ حکومت کو بدل دیں۔ کیونکہ اُنھوں نے اپنا جو اختیار حکومت کے تفویض کیا ہے وہ اس کو واپس لے سکتے ہیں۔ سواریز کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ کیتھولک رعایا پروٹسٹنٹ حکمران کی اطاعت پر مجبور نہیں۔ چنانچہ اس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ حکمراں کو جو اختیار حاصل ہے وہ رعایا کا تفویض کردہ ہے۔ اور رعایا مقتدرِ اعلیٰ ہے تفویض کردہ اختیار لازمی طور پر مشروط ہوتا ہے۔ اور حکمراں کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ رعایا کے بنیادی حقوق کا تحفظ کرے۔ چنانچہ حکمراں اگر اس شرط کی مسلسل خلاف ورزی کرتا رہے، تو رعایا کے نمائندے اس کو معزول کر دینے کے مجاز ہوتے ہیں۔ جب انگلینڈ، اسکاٹ لینڈ اور نیدرلینڈ میں پروٹسٹنٹ عقائد بڑی تیزی کے ساتھ پھیل گئے، تو کیتھولک نظریہ سازوں نے عوامی حقوق کا نظریہ مزید وضاحت کے ساتھ بیان کرنا شروع کیا۔ چنانچہ التھوزلیس نے اپنی کتاب سیاسیات میں یہ نظریہ پیش کیا کہ حکومت کا قیام رضامندی عامہ پر مبنی ہے۔ التھوزلیس نے حکومت کے دائرہ عمل کو محدود ثابت کرنے کے لئے حاکم اور رعایا کے درمیان ایک ابتدائی معاہدہ کا مفروضہ بیان کیا۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ عوام نہ صرف سیاسی اقتدار کا

سرچشمہ ہیں، بلکہ ان کو جو اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہے، وہ ان سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ عوام کا اقتدارِ اعلیٰ حکمران کے حوالے نہیں کیا جا سکتا اور ابتدائی معاہدہ سے اس کو جو اقتدار دیا گیا ہے، وہ ہر وقت واپس لیا جا سکتا ہے۔

جن ممالک میں رومن کیتھولک مقتدر تھے وہاں پروٹسٹنٹوں کے مفاد کے تحت ایسے نظریات پیش کئے گئے جو حکومت کے اختیارات کو محدود کرنے کے حامی ہیں۔ اور جن ملکوں میں پروٹسٹنٹوں پر مظالم کئے جاتے تھے وہاں مقاومت کو جائز قرار دینے کی کوشش کی گئی۔ سولہویں صدی کے یورپ میں مذہبی رواداری برداشت نہ کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ مذہبی جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور ہر ملک جبر و قوت سے اپنی مذہبی اقلیت کو اپنا ہم خیال بنانا چاہتا تھا۔ اسی تنگ نظری کے باعث فرانس میں حکومت کے اشارہ پر ۱۵۷۲ء میں پروٹسٹنٹوں کا قتلِ عام کیا گیا۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اس فرقہ میں بادشاہت کی مخالفت کے شدید جذبات پیدا ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے سرکشی اختیار کی اور جنوبی علاقہ میں ایک وفاقی طرز کی متوازی حکومت بھی قائم کر لی۔ پروٹسٹنٹوں کے اسی اقدام اور حکمراں کے اقتدار سے سرتابی کا جواز ایک تصنیف "مقاومتِ جبر" (Vindiciae Contra Tyrannos) میں پیش کیا گیا۔ اس میں معاشرہ کی حقیقی بنیاد خدا اور انسان کے درمیان ایک معاہدہ کو قرار دیتے ہوئے یہ ظاہر کیا گیا کہ خدا نے ایک قوم کو اس بات کا پابند کیا کہ وہ اسی وقت تک امن قائم رکھے جب تک کہ لوگ خدا کی اطاعت کرتے رہیں۔

اس میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ حکومت کا قیام ایک اور معاہدہ پر مبنی ہے جس میں معاہدہ کرنے والے فریق بادشاہ اور رعایا ہیں۔ اور اس معاہدہ میں رعایا کی وفاداری حکمراں کی حکومت اچھی ہونے سے مشروط ہے۔ چنانچہ بادشاہ کی حیثیت ایک ناظم سے زیادہ نہیں، اور وہ قانون کے تابع ہے۔ اور جو حکمران خدا کی مرضی کے خلاف کام کرے اس کی مقاومت کرنا حق بجانب ہے۔ معاہدہ معاشری کے نظریہ کو اس تصنیف میں بہت واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ خیال پیش کیا ہے کہ سیاسی معاشرہ قائم کرنے کے لئے افراد اپنی فطری آزادی کے کچھ حصّہ سے دست کش ہو گئے، لیکن یہ حوالگی غیر مشروط نہ تھی، اور صرف اسی قدر آزادی حوالے کی گئی، جو قیامِ امن اور تحفّظ کے لئے ناگزیر تھی۔ معاہدہ کے بعد بھی عوام کو اجتماعی حیثیت سے اقتدارِ اعلیٰ حاصل رہا۔ اور عوام کے رہنماؤں اور طبقات کے نمایندوں اور عہدہ داروں کو ظالم حکمران کی مقاومت کرنے کا حق حاصل ہے۔ چونکہ اس کتاب کا مقصد اجتماعی مقاومت کی تحریک اور متوازی حکومت کے قیام کو جائز ثابت کرنا تھا اس لئے انفرادی مقاومت کی تلقین نہ کی گئی، کیونکہ سولہویں صدی میں یہ طریقہ حصولِ مقصد کے لئے مفید نہ تھا۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں فرقوں کے نظریہ سازوں نے اپنے فرقہ کے مفاد کے تحت جو نظریات اس دور میں پیش کئے، ان کا مقصد حکمران کے اقتدار پر پابندیاں عائد کر کے افراد کی مذہبی آزادی اور حقوق کی حمایت اور حفاظت کرنا تھا۔ اور متعلقہ فرقوں میں ان نظریات کی عام مقبولیت سے جمہوری افکار کی ترقی میں بہت مدد ملی۔